بین المذاہب اتحاد کی ضرورت واہمیت

*ڈاکٹر طاہر رضا بخاری

Islam is a complete code of life having a pragmatic & balanced system of theories & practices. The core principles of Islam are global, universal and eternal & not merely aiming as some temporal & martial goods or concerning with fads & accidental phenomena. Allah Almighty has bestowed the human being with such a religion that elevates & up-rises the sentiments of coherence & peaceful harmony among human beings. Islam gives an unbreakable concept of brotherhood among human beings. The system of believes, Rights, Economy politics is substantially & eventfully international & global.

بین المذاہب عالمی اتحاد و یگانگت کا بنیادی تصور "جذبہ اشتراک" کا رہینِ منت ہے۔ دورِ جدید میں بین المذاہب یگانگت اور ہم آہنگی کے بین الاقوامی اصول و تصوّرات کا صاف اور واضح مفہوم یہی ہے کہ انسان کے معاشرتی اور مذہبی طرزِ عمل کو تنگ نظری کی بجائے وسیع النظری اور محدودیّت کی بجائے "آفاقیت" سے روشناس کرایا جائے۔ انسانی معاشروں کو چھوٹی چھوٹی وحدتوں میں تقسیم کرنے والے جذبات و احساسات کی علمی، فکری اور معاشرتی سطح پر حوصلہ شکنی کی جائے۔ تاکہ انسان کے دل و دماغ میں "پوری دنیائے انسانیت اور ہمہ گیر اجتماعیت" کے لئے ہمدردی اور بہی خواہی کے جذبات مستقل بنیادوں پر استوار ہو سکیں۔ وطنی، قومی، نسلی اور طبقاتی بندشوں اور پستیوں سے آزاد اور بلند ہو کر "عام انسانی مستقبل" کو ایک اکائی کی صورت میں دیکھنے کا جذبہ پروان چڑھ سکے۔ انسانی مسائل کے ادراک پر ہی اکتفا نہ ہو بلکہ ان کے مستقل حل کے لئے بھی ذہنی اور عملی کوششوں کی طرف رغبت پیدا ہو۔ نیز یہ کہ عالمی اتحاد و یگانگت اور انسانی بستیوں کے سکون و اطمینان کے لئے ان مسائل اور الجھنوں کی بیخ کنی کی جائے، جو حالت جنگ کی ہوں یا زمانہ امن کی، جن کی نوعیت مذہبی ہو یا ثقافتی۔ ماورائے طبعی ہو یا طبیعاتی اور ارضی۔ ان کے لئے ایسے "مشترکات" بہم پہنچائے جائیں، جن کو اپنانے سے اختلاف عقیدہ و مذہب کے باوجود "بین المذاہب عالمی اتحاد و یگانگت"، امن عالم کا قیام، عام انسانی حقوق کی محافظت اور بین الاقوامی تعلقات زیادہ سے زیادہ فروغ پا سکیں تاکہ ہر ملک، نسل، مذہب اور وطن کا انسان دوسرے سے اپنائیت اور محبت کا رشتہ محسوس کرنے لگے۔

---

* ڈائریکٹر مذہبی امور و اوقاف حکومت پنجاب

مذاہب اوراقوام کی یگانگت اوراسلام

اسلام زندگی کے ہر معاملے میں مستحکم اصول وتصورات دے کرایک اعتدال وتوازن پرمبنی نظام کا خواہاں ہوتا ہے۔اس کے بین الاقوامی تصورات کی بنیاد نہ تو محض چند "مشترک مادی اغراض" پر ہے اور نہ ہی ہنگامی اورعارضی حالات پر،اس کے خالق ومالک نے اس کی فطرت اورساخت ہی ایسی بنائی ہے کہ وہ ہر انسان میں ''زندہ رہنے اورزندہ رہنے دینے'' کے جذبے کوابھارتا ہے۔یہ جذبہ یقیناًزبان ومکان کی قید سے آزاد ہے،جوانسان کوایک رشتہ وحدت میں پروتا ہے۔خواہ وہ کسی ملک،کسی قوم اورکسی نسل کا فرد ہو،اس کے دیئے ہوئے عقائد،نظام اخلاق،نظام معیشت،نظام سیاست سب کا مزاج بین الاقوامی اورآفاقی ہے۔

دوسری بات یہ کہ زندگی کے خارج میں کوئی انقلاب اس وقت تک رونمانہیں ہوسکتا جب تک خوداس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ پیدا ہو چکا ہو۔کوئی نئی دنیا خارجی شکل اختیارنہیں کرسکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسان کے قلب وضمیر میں متشکل نہ ہوجائے۔اس لئے اسلام خارج سے پہلے انسان کے داخل میں انقلاب پیدا کرتا ہے اوراسی کے سہارے پھرخارج کودرست کرتا ہے۔انہیں دونوں خصوصیتوں کے پیش نظر اسلام انسان کی داخلی تعمیر کے لئے ایک خاص تصوّرِکائنات جو"خلافتِ آدم "کے آفاقی اورکائناتی تصوّر پر مبنی ہے،پیش کرتا ہے۔اورپھرانہی تصورات کی بنیاد پر "بین الاقوامیت" کے کچھ قانونی اورخارجی اصول وضع کرتا ہے۔

اقوام اورمذاہب کی یگانگت اورعالمی اتحاد میں کائنات اورانسان کے متعلق اسلامی نقطہ نظر سے آگاہی بھی بہت ضروری ہے۔اسلام کا "کائناتی تصوّر"یہ ہے کہ یہ پوری کائنات اپنے پورے مربوط نظام کے ساتھ ایک خدا کی پیدا کردہ ہے اورجس طرح وہ اس کا خالق ہے۔۔۔اسی طرح اس کا مالک،حاکم اوررب بھی ہے۔یہ زمین جس پرہم رہتے ہیں پوری کائنات کاایک چھوٹا ساحصہ اورجزو ہے جوکائنات کے دوسرے حصوں سے اسی طرح مربوط ہے جس طرح انسانی جسم کے اعضاء آپس میں مربوط ہیں۔پوری کائنات جس طرح خدا کی محکوم اورمخلوق ہے،اسی طرح انسان جواس کائنات کا سب سے موثر عنصر ہے۔اس کی مخلوق ہے۔

وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ۝ (۱)

"زمین وآسمان میں جوکچھ بھی ہے چارونا چاراسی کے مطیع ہیں اوراسی کی طرف سب کولوٹنا ہے

جس طرح یہ پوری کائنات اوراس کے کروڑوں،اربوں ستارے اورسیارے اپنے خالق کے نظام

طاعت میں جکڑے ہوئے ہیں اسی طرح یہ انسان بھی چاروناچار تکوینی اعتبار سے اسی نظام اطاعت میں جکڑا ہوا ہے۔ جس طرح زمین، چاند، سورج، اپنی تخلیق، حرکت اور طلوع وغروب میں ایک کائناتی قانون کے پابند ہیں، اسی طرح انسان بھی اپنی زندگی اور موت کے قانونی ضابطوں کا پابند ہے۔ خدا نے انسان کامل یعنی حضور اکرم ﷺ کے دل میں پہلے ہی دن یہ بات اتار دی کہ:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ہ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ٥ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ہ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ٥ (۲)

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے کائنات کی تخلیق کی ۔اس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ یاد رکھو تمہارے رب کریم نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ اور انسان جو کچھ نہیں جانتا تھا اس نے وہ سب اسے سکھایا۔"

پھر اس تصور کے ساتھ انسان کے قلب وضمیر میں یہ تصور بیٹھایا کہ نہ تو یہ پوری کائنات کی تخلیق اور اس کا پورا نظام محض اتفاق کا نتیجہ ہے۔ اور نہ انسان کی تخلیق کسی بے جان مادہ کے ارتقاء سے وجود پذیر ہوئی ہے۔ بلکہ پوری کائنات کو ایک علیم وخبیر ذات نے پیدا کیا ہے۔ اور وہی اس کو چلا رہا ہے اور جب چاہے گا اسے فنا کر دے گا اور فنا کرنے کے بعد ایک دوسری دنیا آباد کر دے گا جس میں وہ عقل وہوش رکھنے والے ہر فرد سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا۔

پہلے تصور کو ہم توحید اور دوسرے تصور کو آخرت کہتے ہیں، ان دونوں تصورات کے بعد اسلام خلافت آدم کا تصور انسان کے ذہن نشین کراتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کارخانہ قدرت میں سب سے موثر، محترم اور فعال عنصر انسان ہے۔ اس کو عقل وادراک اور ارادہ واختیار کی دولت ملی ہے۔ اس عالم امکان کے سارے ہنگامے، نوبہ نو حسن آفرینیاں اور جہانِ رنگ وبُو کے سارے نقش ونگار اسی کے وجود کے کرشمے ہیں۔ اور یہ تاثیر، تخلیقی قوت اور صلاحیت اس کے اندر اس کے خالق نے رکھ دی ہے۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ٥ (۳)

"ہم نے نوع انسانی کو معزز ومکرم بنایا خشکی اور تری میں پھرایا ان کو اچھا رزق دیا اور بہت سی مخلوق پر فضیلت دی۔"

الہامی ہدایت اور فطرت کا "نظام وحدت":

"فطرت" وحدت ہی کا نام ہے اور فطرت کے وضع کردہ اصول وضوابط وحدت اور یگانگت کی کڑی میں

اس طرح پروئے ہوئے ہیں کہ کسی ماحول یا معاشرے کے اندران میں تغیر وتبدل نہیں آتا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلاًo (۴)

"اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی۔اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تغیر"۔

اللہ ربُّ العزت نے انسانی قافلوں کو ہدایت کی منزل تک پہنچانے کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ان بابرکت ہستیوں نے ہر نازک موڑ پر انسانیت کو سنبھالا دیا اور کاروانِ انسانیت کو ابدی اور حقیقی رفعتوں کی طرف گامزن کیا۔یوں انسانی ارتقا اور پیشوائی کا یہ سفر جاری رہا۔انبیاء کرام علیہم السلام کی مساعی جمیلہ صرف مذہبی جذبوں اور دینی ولولوں ہی سے عبارت نہ تھی، بلکہ یہ تعلیمات اور تبلیغات کثیر الجہات ہونے کے ساتھ ساتھ انسانیت کے درمیان فطری اتحاد و یگانگت کی امین اور انسانی فلاح و بہبود کی خوبصورت روایات سے مزین ہیں۔انبیا کرام۔۔۔زندگی کے ہر گوشے اور حیات کے ہر شعبے کو مجتمع اور متحد کرنے کے لئے آئے ہیں۔اس لئے انہوں نے مذہبی اصلاح کے ساتھ ساتھ انسانیت کو ایک نظام فکر وعمل بھی دیا۔انبیاء کرام کا دیا یہ نظام فکر وعمل " توحید ورسالت " کی بنیاد پر استوار ہونے والا ایسا مکمل نظام حیات ہے، جو "عدل اجتماعی" سے مزین اور سماجی امتیازات سے پاک ہے۔یہ نوع بشری کی دائمی فلاح وکامرانی کا ضامن اور انسانیت کو اس کے بنیادی اوصاف سے متصف کرنے کا علمبردار ہے۔انبیاء کرام کے اس منصب اعلیٰ کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۔ (۵)

اور (یہی نہیں بلکہ) ہم نے ان کو (اپنی امتوں کا) پیشوا بنایا۔جو ان کو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے اور ہم نے ان کی طرف بھی (یہی) وحی بھیجی تھی کہ نیک کام کرنا اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا اور وہ (ان احکام پر کاربند رہے اور) ہماری بندگی میں (دل وجان سے) لگے رہے۔

گویا انبیاء کی تبلیغ کا بنیادی نقطہ ایسے پاکیزہ عالمی معاشرے کی تشکیل ہے، جو خیر اور فلاح کے جذبوں سے عبارت ہو۔جس میں بدی اور تخریب کا، کہیں شائبہ نہ ہو۔جس میں انسانیت کی فلاح اور پاکیزہ نشو ونما کے راستے سنورتے ہوں۔جس میں "نظام عبادات" ہوتا کہ معاشرہ پاکیزگی اور طہارت کا آئینہ دار ہو۔

"نظام زکوٰۃ وخیرات" ہوتا کہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی روک تھام ہو سکے اور ہر فرد مساویانہ طور پر ذرائع معیشت سے بہرہ مند ہو سکے۔ نظام عبادات معاشرے کو تزکیہ، تصفیہ اور پاکیزگی سے آشنا کر کے خدا پرستی سے ہمکنار کر سکے۔ ان فرائض اور نکات پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت کا بنیادی مقصد صرف اعتقادات وعبادات کے ذریعے ایک مثالی اور مذہبی نظام فکر وعمل کا قیام ہی نہیں بلکہ انسانی معاشرے کو ایک ایسی وحدت اور یگانگت سے آشنا کرنا بھی ہے جس کا ہر شعبہ "الوہی نظام زندگی" کا آئینہ دار ہو۔ جس کی سیاست "نظام خیرات" کے تابع ہو، جس کی معاشرت "نظام صلوٰۃ" کے اور جس کی معیشت "نظام زکواۃ" کے آفاقی ضابطوں کی پابند ہو۔ مشیت ایزدی کا مقصود صرف انبیاء کرام کے ذریعہ انسانیت کو یہ سماجی اور سیاسی نظام ہی عطا کرنا نہ تھا بلکہ اسے انسانیت کی ابدی فوز وفلاح کے لئے تا قیامت کرۂ ارض پر جاری وساری کرنا بھی ہے۔

انبیاء کرام کی بعثت اور انسانیت کی شیرازہ بندی

نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام کے "مقاصد بعثت" کا اگر قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے ظلم وجبر اور استحصال پر مبنی رائج الوقت ہر باطل نظام کو بدلنے کی باقاعدہ جدوجہد کی اور اپنی قوم کو عالمی اتحاد ویگانگت کے تناظر میں ایک مکمل نظام فکر اور کامل دستورِ زندگی دیا۔ انسانیت کو رشد وہدایت سے آشنا کرنے اور حق وعدل پر مبنی نظام حیات کے قیام کے لئے عملی اقدامات فرمائے۔ حضرت آدم کو مسجود ملائک بنا کر اللہ ربُّ العزت نے نسل آدم کی شرف ومنزلت کو روز اوّل سے ہی واضح فرما دیا تھا۔ "عَلَّمَ الاَسْمَاء" سے بہرہ ور ہونا ایک طرف "معرفت ربّانی" کا باعث اور دوسری طرف تسخیر کائنات اور "مستحکم عالمی نظام" کی نوید تھا۔ حضرت آدمؑ چونکہ نوع انسانی کا نقطہ آغاز تھے لہذا ان کی آمد کے ساتھ ہی درج ذیل دو امور کا فیصلہ فرما دیا گیا:

i۔ نسل انسانی کا باہمی ربط وتعلق اور ان کی زندگی کا نمونہ کیا ہوگا۔۔۔؟

ii۔ زندگی کو کامیاب وکامران اور مستحکم اور متحد رکھنے کے لئے لائحہ عمل کیا ہوگا۔۔۔؟

دراصل یہی امور مستقبل کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام کی تشکیل اور باہمی یگانگت اور بھائی چارے کے بنیادی ستون تھے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (٦)

یعنی: ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ ان پر کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یعنی ارتقائے تہذیب انسانی اور انبیاء کی آمد کا سلسلہ ساتھ ساتھ قائم رہے گا۔ انبیاء کرام کی طرف سے عطا کردہ ہدایت کی اِتباع ہی فطری وحدت اور معاشرتی اتحاد واستحکام کا ذریعہ بنے گی۔ گو کہ اس میں ہدایت ۔۔۔ اور خوف وحزن ساتھ ساتھ ہوں گے، تاہم ایک کامیاب فلاحی زندگی اور مستحکم عالمی نظام صرف ہدایتِ ربانی سے ہی ممکن ہوگی۔

انبیاءکرام کے پیش کردہ نظام کی ہمہ گیریت

حضرت نوحؑ نے اپنی ساڑھے نوسوسالہ نبوی جدوجہد میں اس دور کے باطل نظام کی مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ، قوم کے سامنے دعوتِ حق اور عالمگیر سماجی اور معاشرتی نظام پیش کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّـآ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝ قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ لَـكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝ (۷)

"اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تا کہ قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آئے۔ آپ اپنی قوم کو (اس عذاب سے) ڈرائیں۔ (نوحؑ نے تبلیغ شروع کی اور) فرمایا کہ اے میری قوم! میں تمہارے لئے واضح طور پر نصیحت کرنے والا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔"

یعنی نوحؑ نے اپنی قوم کو عبادت الٰہی، تقویٰ اور اطاعت نبوی کی دعوت دے کر توحید ورسالت کے بنیادی عقائد کی طرف متوجہ کیا اور انہیں شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنے کی سعی فرمائی۔

يُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا ۝ وَّيُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَيَجۡعَلۡ لَّـكُمۡ جَنّٰتٍ وَّيَجۡعَلۡ لَّـكُمۡ اَنۡهٰرًا ۝ مَا لَـكُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدۡ خَلَقَكُمۡ اَطۡوَارًا ۝ (۸)

وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے واسطے باغ بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں بہادے گا۔ تم کو کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی عظمت پر اعتقاد نہیں رکھتے (اس کے غضب سے نہیں ڈرتے) حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح کی صورت وسیرت کا بنایا۔

آپ کا پیش کردہ سماجی اور معاشرتی نظام باہمی یگانگت اور استحکام کا آئینہ دار تھا جس میں فراخی رزق یعنی معاشی استحکام، فراخی اولاد یعنی معاشرتی استحکام اور فراخی وقار یعنی ملّی اور سیاسی استحکام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کی بعثت اور نبوی جدوجہد بھی دنیا کے باطل معاشرتی نظام کے خاتمے اور عدل وانصاف سے مزّین انسانی بستیوں کے عالمگیر قیام پر مبنی تھی۔ نیز ایک ایسے مذہبی وسماجی نظام کی تنفیذ بھی آپ کا مطمع نظر تھا جس میں انسانیت کی شیرازہ بندی اور فطری وحدت کے جذبے موجزن ہوں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ٥ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ٥ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَۃً تَعْبَثُوْنَ ٥ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ ٥ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ٥ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ٥ وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ٥ اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ٥ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ٥ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ٥ (۹)

"بے شک میں تمہاری طرف امانت دار پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور میں اس حق کا تم سے صلہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر تو سب جہانوں کے پروردگار کے ذمہ ہے۔ کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک نشان (ایک بلند یا مستحکم عمارت) فضول بنایا کرتے ہو اور تم (پُر تکلف) محل بناتے ہوئے شاید (تم سمجھتے ہو کہ) تم ہمیشہ رہو گے اور جب تم ان کی گرفت کرتے ہو تو بڑی بے دردی سے کرتے ہو (پس ان ظالمانہ حرکتوں سے باز آؤ) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اس سے ڈرو جس نے تم کو وہ تمام چیزیں عطا فرمائیں جو تم جانتے ہو۔ تم کو چوپائے اور بیٹے (سامان بقائے زیست ونسل) عطا کئے اور باغات اور چشمے عطا فرمائے۔ (بصورت دیگر) مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت اور وضع کردہ نظام زندگی کا نقشہ قرآن میں ملاحظہ ہو:۔

اِذْ قَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ٥ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ٥ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ٥ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ اَتُتْرَکُوْنَ فِیْ مَا ھٰھُنَآ اٰمِنِیْنَ ٥ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ٥ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُھَا ھَضِیْمٌ ٥

وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا فٰرِهِيۡنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝ وَلَا تُطِيۡعُوۡۤا اَمۡرَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ يُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا يُصۡلِحُوۡنَ ۝ (۹)

"جب ان کے (ہم وطن) بھائی صالحؑ نے ان سے کہا، کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس کا کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر تو میرے رب کے ذمے ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ کیا جو چیزیں تم کو میسر ہیں تم ان میں (لطف اٹھانے کے لئے) بے فکری سے چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ باغوں اور چشموں میں (کہ یوں ہی عیش کرتے رہو گے) اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن میں نرم نرم کونپلیں پھوٹ رہی ہیں۔ اور تم پہاڑوں سے پُر تکلف گھر تراشتے ہو (اس خیال سے کہ ان میں ہمیشہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے رہو گے اور ان سے کبھی نہ نکلو گے) پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور بے باک لوگوں (حد سے تجاوز کرنے والوں) کا کہنا نہ مانو جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں (معاشرہ کی) اصلاح نہیں کرتے (نہ نیک صلاح دیتے ہیں)"

حضرت ابراہیمؑ انبیاء کرام میں نہایت برگزیدہ اور جلالت مآب ہستی ہیں۔ آپ جدّ الانبیاء ہیں اور اس وقت دنیا میں موجود الہامی مذاہب بالخصوص امت مسلمہ کے اکثر شعار اور عبادات آپ ہی سے منسوب ہیں۔ آپ کی شخصیت جامعیت اور ہمہ گیریت کے اعتبار سے اعلیٰ اوصاف کی حامل ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ۝ (۱۰)

"بے شک ابراہیمؑ بڑے پُر وقار، رقیق القلب اور (ہر وقت خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔"

آپ کے مقصدِ بعثت میں توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان بنیادی اہمیت کے حامل تھے۔ حضرت ابراہیم کی بعثت کے مقاصد کو اگر قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت نوح، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں تسلسل اور لائحہ عمل میں مطابقت واضح ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ۔ (۱۱)

"(اللہ نے) تمہارے لئے وہی دین مقرر فرمایا ہے، جس کا حکم نوح کو دیا تھا اور جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور اس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا کہ (اس) دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔"

انبیائے کرام کی بعثت کا وہ مقصد جلیل جس کی تکمیل کیلئے وہ مبعوث ہوتے رہے، حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک میں درجہ کمال کو پہنچ گیا۔ آپ سے قبل آنیوالے تمام انبیاء کرام مخصوص زمانوں یا علاقوں کے لئے تھے، مگر آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کی جامعیت کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ (۱۲)

"وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کردے۔"

گویا انبیاء کرام کی بعثت کے مقاصد اور ان کی ہمہ گیر تعلیمات انسانیت کی شیرازہ بندی اور نوع بشری کے اتحاد و یگانگت کے جملہ پہلوؤں کو اپنی تعلیمات میں سموئے ہوئے ہے۔ انبیاء کرام اساسی طور پر حیات انسانی کو کلیتاً ایک ایسے نظام کے تحت لانے کے لئے مبعوث ہوتے رہے جو نہ صرف توحید و رسالت اور آخرت کے تصور جیسی بنیادوں سے اُٹھتا ہو بلکہ دنیاوی زندگی کو بھی فوز و فلاح کا مظہر بناتا ہو۔ یہ جامع جدوجہد حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک میں اپنے نقطہ کمال پر نظر آتی ہے۔ حیاتِ انسانی کے لئے عالمی نظام فکر و عمل، آپ ﷺ کے ذریعہ سے نہ صرف تکمیل پذیر ہوا بلکہ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ ﷺ نے جو راستہ اختیار فرمایا اور جس طرح جدوجہد فرمائی وہ اپنی اتمام پذیری اور نتیجہ خیزی کے اعتبار سے دنیا کے لئے نشانِ ہدایت اور راہنما بن گیا۔

اسلام کی عالمگیر حکمت عملی

آج کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ "اخوت انسانی" ہے۔ انسانی اخوت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام انسانوں کے مابین کوئی قدرِ مشترک دریافت نہ کرلی جائے۔ انسانی معاشروں کے مابین کسی "قدرِ مشترک" کے حصول کے لئے سب سے بڑی بنیاد توحید ہے۔ اشتراک عقیدہ کے لئے توحید پر اتفاق یعنی "اِلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰه" خدا کی چوکھٹ کے سوا کسی انسانی بارگاہ پر خواہ وہ دنیاوی اعتبار سے کتنی ہی معتبر اور مقتدر کیوں نہ ہو اپنی جبین نیاز نہ جھکائے۔ یہی وہ پیغام ہے جو سورہ آل عمران میں دیا گیا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ م بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا

نُشْرِکَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط.(۱۳)

" کہو، اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔"

نبی اکرم ﷺ کی یہ آواز اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے ساتھ بلند ہوئی۔ رحمت الٰہی کا فیضان عام ہوا، وحدانیت کی برکات ارزاں ہوئیں۔ بے چین اور آوارہ وسرگرداں دنیا کو پیام امن وراحت اور انسانی قافلوں کو پرچم رسالت کے سائے میں جگہ میسر آئی۔ یہ دعوت کسی خاص قوم وگروہ، خطے یا علاقے تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کی برکتیں اور رحمتیں تمام بنی نوع انسان کے لئے تھیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَانِ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (۱۴)

"(اے پیغمبر) کہو اے افرادِ نسل انسانی! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں، وہ خدا کہ آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے، کوئی معبود نہیں مگر اسی کی ایک ذات، وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے، پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر، کہ اللہ اور اس کے کلمات (یعنی اس کی تمام کتابوں پر) ایمان رکھتا ہے۔ اس کی پیروی کرو تاکہ کامیابی کی راہ تم پر کھل جائے۔"

گویا اس آیت میں حسب ذیل نکات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دعوت پوری حقیقت کے ساتھ واضح کردی گئی ہے:

i۔ یہ دعوت عالمگیر اور یکساں طور پر تمام نوع انسانی کے لئے ہے۔

ii۔ یہ ایک خدا کے آگے سب کے سروں کو جھکا ہوا دیکھنا چاہتی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں

iii۔ ایمان باللہ وکلماتہ اس کا شعار ہے، یعنی خدا پر اور اس کے کلمات وحی پر ایمان لازمی ہے۔

اس طرزِ استدلال سے فائدہ یہ ہوا کہ داعی کے متعلق یہ بدگمانی پیدا نہیں ہوتی کہ یہ کوئی ایسی شخصیت ہے جو انفرادیت کے زعم میں تمام ماضی پر خطِ تنسیخ پھیرنا چاہتی ہے۔ بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ تو انسانیت کو اُس کا قدیم ترین ورثہ منتقل کرنے آیا ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے مخاطبین سے نزاع یا

افتراق پیدا کرنے کی بجائے اس بات کی کوشش فرمائی کہ جن اصولوں پر اشتراک واتحاد ہے اس کے "مشترکہ پہلوؤں" کو استدلال کے ذریعہ واضح کر دیا جائے، تاکہ مخاطب داعیِ حق کی بات سننے کی طرف راغب ہو۔ اس میں ضد اور ہٹ دھرمی کا مادہ کم سے کم پیدا ہو اور پھر اس کے سامنے ان نتائج کو رکھا جائے جو اس کے اپنے اقرار کردہ اصولوں سے لازمی طور پر نکلتے ہیں۔ تاکہ وہ ان کو اپنی بات سمجھ کر قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ چنانچہ سورۃ عنکبوت میں یہ ہدایت: ولاتجادلوا اہل الکتاب۔ یعنی اہل کتاب سے مجادلہ نہ کرو! اسی امر کی غماز ہے۔ جبکہ اس کا خوبصورت ترین پیرایا یہ ہے "اے اہل کتاب! اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔"

بہرصورت رسول ﷺ نے اپنے اور عہد قدیم کی دیگر اقوام کے درمیان "قدرِ مشترک" کو تلاش فرمایا اور اس کو بنائے بحث واستدلال بنایا۔ نوع انسانی اپنے ظاہری اختلافات کے لحاظ سے کتنی ہی متفرق اور پراگندہ کیوں نہ نظر آئے لیکن اس کے اس تفرق اور دوری کی تہہ میں بے شمار اصول وقواعد ایسے بھی ہیں جن میں سب متحد ہو سکتے ہیں۔ آفاق کے قوانین وضوابط، فطرت کے مظاہر، تاریخ کے مسلمات اور بنیادی اخلاقیات میں سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں شرق وغرب اور عرب وعجم سب ایک ہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ رسول ﷺ کے اس طرزِ استدلال اور طریق دعوت کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ وہ لوگ جو ایمان قبول کرتے گئے ان کو ذہنی وفکری طور پر مزید اطمینان حاصل ہوا اور وہ اس پر پوری طرح جم گئے۔ پھر معاشرہ کا وہ طبقہ جو شک وتذبذب اور شبہات واحتمالات کا شکار تھا اور قبولِ حق میں چند رکاوٹوں کے سبب ہچکچا رہا تھا، اس طرزِ استدلال سے مطمئن ہو گیا۔

دور جدید اور عالمی اتحاد ویگانگت

آج دنیا میں نت نئے نظریات اور اِزموں کی بھرمار نے فضا کو دھندلا دیا ہے۔ بے یقینی اور عدم اطمینان کی کیفیت نے انسان کا انسانیت پر اعتماد متزلزل کر دیا ہے۔ لوگ اور معاشرے غموں سے دل گرفتہ اور دکھوں سے آزُردہ۔۔۔ جب کہ انسان ہر مادی آسائش کے باوجود نا آسودہ ہے۔ گو ہر مقصود مفقود۔۔۔ سچی خوشی کا حصول بھی ناممکن اور ایک لمحہ کی طمانیت بھی عنقا۔ ہر طرف ایک دہشت ہے، وحشت ہے، بے یقینی ہے، بے اطمینانی ہے۔ قومیں قوموں سے، فرقے فرقوں سے، طبقے طبقوں سے دست وگریباں ہیں اور یہ کشمکش ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ ہر شخص خود غرضی میں مبتلا ہے، نیکی، شرافت اور اخلاق کوئی چیز نہیں، انسان کا علم بہت بڑھ چکا ہے۔ وہ بڑے بڑے خوشنما فلسفے گھڑتا ہے لیکن اس کی تمام تدبیریں ناکام ہو چکی ہیں۔ خدا کی

ہدایت اوراس کے رسولوں کی رہنمائی کی ضرورت اگر کبھی انسان کو ہوتی تھی تو آج یہ ضرورت سب سے زیادہ ہے۔آج کے دور کے انسان کی سب سے بڑی مشکل "متفقہ اقتدار" کا نہ ہونا ہے، جسے سب مل کر تسلیم کر سکیں اور جو انسانیت کے شیرازے کو مجتمع رکھنے کا باعث ہو۔یہی وجہ ہے کہ دنیا میں تصادم اور کشمکش کا ایک طوفان برپا ہے اور کوئی روکنے والا نہیں ، یہ سب سے بڑی گتھی ہے جس کے حل ہونے پر دوسری گتھیوں کے سلجھنے کا دارومدار ہے۔

ہمارے رسول ﷺ نے اس گتھی کو انتہائی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے۔آپ نے رہتی دنیا تک کے انسانوں کے سامنے یگانگت ، ہم آہنگی اور اتحاد عالم کے تصورات ان دلائل کی روشنی میں رکھے کہ دنیا کے انسان جو کبھی پیدا ہوئے تھے جو آج موجود ہیں ، اور جو آئندہ رہتی دنیا تک پیدا ہوں گے ، ان کا پیدا کرنے والا ، پالنے والا ، ان کی زندگی وموت کا مالک ، ان کے لئے زندگی کا تمام سامان بہم پہنچانے والا ، انہیں جسمانی ، ذہنی ، روحانی ہر قسم کے قویٰ بخشنے والا ، صرف اللہ ہے۔اسی نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی اس نظام عالم کا نگران اور مدبّر و منتظم ہے۔وہی تمام انسانوں کا مالک اور آقا ہے اور وہی ان کا حقیقی فرمانروا ہے۔نبی ﷺ ، خدا کی جو کتاب انسانوں کی ہدایت کے لئے لائے اس کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (شکر وستائش اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا مالک اور پروردگار ہے) سے ہوتی اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ o مَلِكِ النَّاسِ o اِلٰهِ النَّاسِ ------ (کہہ دیجیے میں پناہ چاہتا ہوں تمام انسانوں کے پروردگار کی ، تمام انسانوں کے بادشاہ کی اور تمام انسانوں کے معبود کی) پر اس کلام کی انتہا ہوتی ہے اور اس کا مکمل نظام حیات اور اسکی تعلیمات کا مرکزی نقطہ ہی یہی ہے کہ تمام انسان اللہ کو اپنا مالک و آقا مانیں اور اُسی کو "مقتدرِ اعلیٰ" تسلیم کریں۔

آج جب کہ پوری دنیا ایک Global village بن چکی ہے۔انسانی آبادیاں بظاہر ایک بستی کی صورت اختیار کر چکی ہیں ۔مگر ان کے درمیان کسی مشترکہ رشتے کا تصوّر پروان نہیں چڑھ سکا۔جو ان انسانی آبادیوں کو ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس دلا سکے۔سفید فام ، سیاہ فام کے دشمن ہیں۔ایشیاء اور یورپ میں برتری اور کمتری کی مستقل دوڑ موجود ہے۔آرین نسل ، سامی نسل سے بیر رکھے ہوئے ہیں۔گویا کہ ہر قوم دوسری قوم کی بدخواہ اور ہر ملک دوسرے ملک کا دشمن ہے۔

عالمی اتحاد و یکجہتی کے سب سے بڑے اور عظیم علمبردار ، ہادی برحق حضرت محمد ﷺ نے "وحدت انسانی" کے عظیم تصوّر کو دنیا کے ذہنوں میں راسخ فرمایا کہ سب انسان ایک خالق کی مخلوق ہیں ، ایک مالک کے

بندے اور ایک حاکم کی رعیت ہیں۔ اور ان کا حاکم و مالک اپنی رعیت کو متحد و متفق دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ جھگڑے، تفرقے، نفاق، دشمنی اور ایک دوسرے کی بدخواہی کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ نبی اکرم ﷺ نے جغرافیائی، سیاسی اور معاشی حدود میں منقسم لوگوں پر یہ حقیقت واضح فرمادی کہ ان تفرقوں اور تقسیموں کی کوئی اصل نہیں ہے۔ پوری زمین اللہ کی ہے اور اس پر موجود سارے ذرائع اور وسائل اللہ کے پیدا کردہ ہیں اور وہ سب انسانوں کے لئے ہیں۔ ساری زمین انسان کا وطن ہے۔ خاک وطن کے تمام تعصبات نہ صرف بے اصل ہیں بلکہ انتہائی غلط اور مالک ارض وسما کی ناخوشی کا باعث ہیں۔ اس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات موجزن فرمائی کہ تمام انسان ایک ہی ماں، باپ (آدم وحوا) کی اولاد ہیں، اس خونی اشتراک کے سبب یہ سب بھائی بھائی ہیں۔ رنگ ونسل کی ساری تفریقیں غلط اور بے بنیاد ہیں۔ تقسیم صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اچھوں اور بُروں کی تقسیم، خدا کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی تقسیم۔

عالمی یگانگت اور اتحاد و یک جہتی کے لئے ضروری ہے کہ انسانیت کے پاس متفقہ اور مشترکہ نصب العین اور لائحہ عمل ہو۔ مختلف قومیں اور فرقے مختلف نصب العین کے حامل ہونے کے سبب باہمی اتحاد کی رسی میں پروئے نہیں جاسکیں گے۔ مختلف طبقات اگر مختلف مقاصد اور نظریۂ حیات کے حامل ہونگے تو باہمی آویزش موجود رہے گی۔ نصب العین کا ٹکراؤ دنیا کے لئے خطرے کی علامت بن جاتا ہے جس کے سبب انسانی بستیاں ہمہ وقت ذہنی، فکری، سیاسی اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا رہتی ہیں۔ اس مشکل کو نبی اکرم ﷺ نے بڑی عمدگی کے ساتھ حل فرمایا اور اعلان فرمادیا کہ پوری انسانیت کے نصب العین کا تعین صرف خالق کائنات کا حق ہے۔ اسی کا وضع کیا ہوا "نصب العین" انسانی قافلوں کے لئے رشد وہدایت کا باعث ہوگا۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کا تابع فرمان ہے۔ انسان بھی کائنات کا ایک جزو ہے۔ انسان کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے مالک وآقا کی اطاعت وبندگی کو اختیار کرے۔

نبی اکرم ﷺ نے عالمی اتحاد، یگانگت اور ہم آہنگی کے لئے آثارِ کائنات اور قوانین فطرت کی روشنی میں دنیا کو اس حقیقت سے روشناس کرایا کہ زندگی یہی زندگی نہیں ہے، مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی انسان کو ملے گی جو دائمی وابدی ہوگی۔ جس کی نعمتیں اور تکلیفیں بے پایاں وغیر فانی ہوں گی۔ اس عالم کی دوامی اور لامحدود نعمتوں کے مقابلے میں اس دنیا کی چندروزہ اور محدود فائدوں کی وہی حیثیت ہے جو سمندر کے مقابلے میں ایک حقیر بوند کی، دنیا کی یہ حقیر نعمتیں پوری جدوجہد اور دوڑ دھوپ کے باوجود اکثر انسانوں کو حاصل نہیں ہوپاتیں، اور اس کی تمنا کرتے کرتے ہی دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ لیکن اس عالم لازوال

اوراس کی عظیم نعمتیں ہراس انسان کو جواُن کے لئے مناسب کوشش کرے یقیناً ملیں گی۔جس کے لئے ضروری ہے کہ انسان تقوی اور فلاح کی زندگی اختیار کرے اور آخرت کے تصور جزاوسزا کو اپنے قلب وجگر میں موجزن کرے۔کیونکہ یہی تصورانسان کی فلاح کا ضامن ہوسکتا ہے۔

بین المذاہب اور بین الاقوامی اتحادوتعلقات کے اہم ستون

انسانی حقوق کی ہمہ گیری اورانسانیت کا احترام:

جس طرح اسلام نے ایک ہمہ گیر عالمی اخلاقی نظام دیا ہے اسی طرح اس نے ہر صنف، ہر طبقے اوردیگر مذاہب کے افراد کے حقوق مقرر کردیے ہیں تاکہ انسانی بھائی چارہ، احترام آدمیت اور معاشرتی وسماجی مساوات میں کہیں خلل واقع نہ ہو۔انسانی حقوق کی ادائیگی میں اسلام نے قومی، وطنی، مذہبی اور طبقاتی عصبیت کا نام ونشان جس انداز میں مٹایا ہے اس کی نظیر اور مثیل نہیں ملتی۔انسانی حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے وہ مسلمانوں کے لئے جو معیار مقرر کرتا ہے وہ یہ ہے:

لایؤمن احد کم حتی یحب للنّاس مایحب لنفسہٖ

"کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک انسانوں کے لئے وہی کچھ نہ پسند کرے جواپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک سارے انسانوں کی بھلائی کا جذبہ کسی انسان کے دل میں پیدا نہ ہو تو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔رنگ ونسل کے امتیازات کو ختم کرتے ہوئے عالمگیر معاشرت کے تصور کو، خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے یوں واضح فرمایا:

یا ایھا النّاس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی أحمر الا بالتقویٰ، الناس من اٰدم وادم من تراب.

"اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے باپ آدم ہی ایک ہے، تم سب آدم کے بیٹے ہو۔کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر۔مگر پاکبازی اور تقویٰ کی وجہ سے، سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔"

خدا نے پہلے انسان کی تخلیق خلافت ونبوت کی ذمہ داری کے ساتھ کی تھی۔اس لئے انسان کے ہر ہر فرد

کو چاہیے کہ وہ اس دنیا میں خلافت الٰہی کا فرض ایک فرض شناس کی طرح انجام دے۔ وہ اس کائنات میں معین خدا بن کر نہیں بلکہ نائب خدا بن کر تصرف کرے، وہ صفات الٰہی کا مظہر بن کر کائنات ارضی کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لے اس کو تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ کا حکم دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس کائنات کے خالق کی نظر جہان ہست وبود کی پنہائیوں سے بھی زیادہ وسیع ہے، اُسی طرح انسان کے قلب ونظر میں وسعت وہمہ گیری ہونی چاہیے۔ جس طرح اس کے رحم وکرم کا فیضان ساری مخلوقات کے لئے عام ہے اِسی طرح اس کے دل میں بھی یہی ہمہ گیر جذبہ رحم وکرم موجزن ہونا چاہیے۔ اس کا خوانِ ربوبیت جس طرح اپنے نافرمانوں پر بھی بند نہیں کرتا، انسان کو بھی اپنے اندر ربوبیت عامہ کا یہی جذبہ ابھارنا چاہیے۔ وہ سب کو دیتا ہے مگر خود کسی سے کچھ نہیں لیتا۔ یہی بے نیازی اور بے غرض جذبہ انسان کو اپنے دل کی گہرائیوں میں پیدا کرنا چاہیے۔ ساری مخلوق خدا کی عیال ہے، اس کے ایک ایک فرد سے اس کو محبت ہے، اس لئے ایک انسان کو ایک انسان کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے بال وبچوں کے لئے پسند کرتا ہے۔

عقیدہ کی آزادی اور بین المذاہب تعلقات

ہر انسان کو چونکہ خدا نے عقل وتمیز دی ہے پھر اس نے وحی کے ذریعہ اس کو صحیح زاویہ نظر اختیار کرنے کی طرف راہ نمائی بھی کردی ہے۔ اِس لئے ہر شخص کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر چلتا رہے یا غلط عقیدہ قائم کر کے چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں میں بھٹکتا پھرے، بہرحال اس دنیا میں اسے کوئی نظریہ یا عقیدہ قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ.(۱۵)

"دین کے بارے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے (جس کا جی چاہے قبول کرے جس کا جی چاہے نہ کرے)۔"

قرآن پاک نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے ہر مسلمان کو تنبیہ کرتا ہے کہ:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝(۱۶)

"اگر اللہ چاہے تو زمین کے تمام رہنے والے مومن ہو جائیں تو کیا تم لوگوں کو مومن بنانے میں جبر واکراہ کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے محض حریت عقیدہ کا نظریہ ہی نہیں پیش کیا بلکہ عملی وقانونی طور پر اس کی حفاظت بھی کی ہے۔

اس سلسلہ میں کسی پر کوئی جبر نہ کیا جائے، جیسا کہ مذکورہ پہلی آیت اور دوسری آیت کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی کو اپنے کسی عقیدے کی طرف دعوت دینا ہے یا کسی کے عقیدے پر تنقید کرنی ہے تو عمدہ پیرائے اور نرمی کے ساتھ کرنی چاہیے۔

اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ(۱۷)

"اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھے پیرائے میں نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے بحث ومباحثہ اور اختلاف بھی اچھے طریقہ سے کرو۔"

پوری اسلامی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ دعوت اسلام کے معاملے میں کبھی جبر کو اختیار نہیں کیا گیا اور غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کو ہمیشہ مقدم رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے یہود سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں اُن کی دینی آزادی کو واضح انداز میں متعین فرمادیا تھا۔

مدینہ منورہ میں حضور اکرم ﷺ کے انقلابی اقدامات نے وہاں کی قومی زندگی کو ایک ہمہ گیر معاشرت سے بھی متعارف کروایا۔ ہجرت کے سال اول میں آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل پانچ امور پر اپنی توجہ مبذول فرمائی:

i۔ میثاق مدینہ کے ذریعے سے آپ ﷺ نے اہلیان مدینہ کو بین المذاہب یگانگت اور اتحاد کا درس دیا۔ میثاق مدینہ آپ کا ایسا قدم تھا جس کے نتیجے میں ریاست مدینہ میں آپ کی حاکمیت مسلم ہوگئی۔

ii۔ مواخات کے ذریعے سے آپ نے معاشی استحکام کا پروگرام دیا، اس طرح مکے سے آنے والے مہاجرین کی آبادکاری ومعاشی بحالی ممکن ہوئی۔

iii۔ مسجد نبوی تعمیر کی گئی اور افراد معاشرہ کی تربیت کا کام بھی شروع کردیا گیا۔

iv۔ ریاست مدینہ کا نظم ونسق چلانے کے لئے آپ ﷺ نے نظام سلطنت (Administrative system) دیا۔

v۔ ریاست مدینہ کے دفاع کے لئے آپ نے اقدامات فرمائے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے اہجری میں کئے جانے والے تمام تر اقدامات Socio Economic اور Secular نوعیت کے تھے جب کہ مذہبی پروگرام اور اسلامی احکام کا نزول ونفاذ بتدریج ہوتا رہا۔

آپ نے یہود ونصاریٰ سمیت کفار مکہ اور دیگر عرب قبائل کے ساتھ معاہدات فرمائے۔ ان معاملات

میں قابل ذکر بات یہ تھی کہ یہ سب کی سب اسلام دشمن سیکولر اکائیاں تھیں جن کے ساتھ آپ نے مختلف اوقات میں مختلف نوعیت کے اتحاد (Alliances) کیئے ۔لیکن آپ کے دو اتحاد بطور خاص مشہور ہوئے اور نتائج کے اعتبار سے تاریخی اور فیصلہ کن اہمیت کے حامل ٹھہرے ۔ان میں ایک ''میثاق مدینہ'' اور دوسرا ''معاہدہ حدیبیہ''، میثاق مدینہ پہلی سن ہجری میں یثرب کے قبائل اور بالخصوص یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ ہونے والا سیاسی اور دفاعی معاہدہ تھا، جب کہ معاہدہ حدیبیہ ٦ ہجری میں عرب کی سب سے بڑی اسلام دشمن قوت کفار و مشرکین مکہ کے ساتھ طے پایا۔

بے لاگ اور مساویانہ انصاف

بین المذاہب اور بین الاقوامی اتحاد و یگانگت کی بنیاد کو موثر و مستحکم کرنے کے لئے اسلام نے سب سے زیادہ زور بے لاگ اور مساویانہ انصاف پر دیا۔ اسلام کے نزدیک عدل وانصاف محض ایک قانونی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ وہ ضابطہ قانونی کے ساتھ اخلاقی ذمہ داری بھی ہے، جو انصاف کو صرف عدالت تک محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے ہر گوشہ میں منصف اور عادل بناتا ہے۔ وہ جس طرح ایک فرد کے ساتھ انصاف کا حکم دیتا ہے اسی طرح قومی، ملکی اور بین الاقوامی معاملات میں بھی ہر ہر قدم پر اس کی نگرانی کرتا ہے۔ قرآن کی بے شمار آیات میں اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ (۱۸)

"بیشک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ (اُن کے) سپرد کرو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں اور جب بھی فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے۔"

فتح مکہ کے موقع پر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح ونصرت سے ہمکنار کیا تو اس موقع پر اس آیت کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں انتقام کے جذبے کی ہمیشہ کے لئے بیخ کنی کردی۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْاھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ٥ (۱۹)

"کسی قوم کی دشمنی تم کو آمادہ نہ کردے کہ تم ان سے ناانصافی کرو۔ عدل وانصاف سے کام لو، یہ عدل وانصاف تقویٰ سے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔"

معاہدات کی پابندی

وہ چیز جس سے بین المذاہب اور بین الاقوامی تصورات اور جذبات کو نظری اور عملی طور پر مضبوطی میسر آتی ہے اور بھائی چارے کی فضا کو فروغ ملتا ہے وہ معاہدات کی پابندی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے معاہدات کی پابندی کو اخلاقی اور قانونی دونوں حیثیتوں سے ضروری قرار دیا ہے۔ معاہدہ خواہ شخصی ہو یا اجتماعی۔ معاشی ہو یا تجارتی، صلح کا ہو یا امن وامان کے قیام وبقاء کا۔۔۔اس کی پابندی ہر صورت لازمی ہے۔ اسلام کا دامن توثیق معاہدات کے سلسلے میں بڑا وسیع ہے۔ اس کے نزدیک اگر برسر جنگ قوم بھی صلح اور مصالحت کے لئے ہاتھ بڑھائے تو جب تک مسلمانوں کو کوئی شدید نقصان نہ ہوا ہو یا اس میں کوئی کھلا ہوا فریب نہ نظر آتا ہو اس وقت تک اس کا خیر مقدم کرنا ضروری ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی بار بار اور سخت تاکید آئی ہے اور عملی طور پر اسلامی حکومتیں اس کی پابندی کرتی رہی ہیں۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۝ (۲۰)

"عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں خدائے تعالیٰ کے حضور باز پرس ہوگی۔"

اسلام نے معاہدے کو اسلامی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے بڑی اہمیت دی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے دعوت حق کے فروغ اور اسلام کے استحکام کے لئے کثیر الجہات حکمت عملی اختیار فرمائی جس میں آپ نے مخالف قوتوں کے ساتھ اتحاد ومعاہدات کئے۔ یہود سے معاہدہ توحید کے ''مساوی کلمہ'' کی بنیاد پر طے پایا۔ دیگر کئی قبائل سے معاہدات طے کرتے وقت آپ ﷺ نے حالات کے مطابق حکمت عملی اختیار فرمائی۔ طائف کے قبیلہ بنو ثقیف نے معاہدہ کے لئے یہ مطالبات پیش کیے:

i۔ نماز سے استثنیٰ
ii۔ حرمت زنا سے استثنیٰ
iii۔ طائف کو حرم قرار دینا
iv۔ فرضیت زکوٰۃ سے استثنیٰ
v۔ فرضیت جہاد سے استثنیٰ۔

آپ ﷺ نے انہیں پہلی دو شرطوں پر منوالیا اور بعد کی تین شرطیں مان لیں۔ صحابہ کرامؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اسلام ان کے دل میں جم جائے گا خود بخود مکمل اسلام کو مان لیں گے۔ نیز یہ کہ آپ نے صرف یہود مدینہ سے ہی نہیں بلکہ دیگر کئی قبائل مثلاً بنی ضمرہ، بنی غفار، نعیم بن مسعود اشجعی اور نجران کے عیسائیوں سے بھی معاہدات کیے۔ آپ نے پیغام حق کے فروغ کے لئے مختلف النوع اتحاد کیے، جو سماجی (Social) سیاسی (Political)، عسکری ودفاعی (Military & Defence) اقتصادی (Economic) اور

تجارتی (Commercial) نوعیت کے تھے۔ آپ ﷺ مدینہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے کی فضا پیدا فرمائی۔ آپ نے وہاں کے عام شہریوں اور یہود سے جو معاہدہ کیا اس میں اڑتالیس دفعات ہیں۔ ان میں ہر دفعہ معاہداتی دنیا میں اپنی انفرادیت رکھتی ہے۔ اور یہ بھی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت میں دوسرے مذاہب کی کیا حیثیت ہے۔ نیز یہ کہ اسلام اپنے ہمسایوں کے ساتھ پُر امن بقائے باہمی کا کس قدر خواہاں ہے۔

سفارتی آداب

بین الاقوامی تعلقات کے استوار کرنے اور بین المذاہب اتحاد اور رواداری کو فروغ دینے میں دوست اور دشمن ملکوں کے سفراء اور نمائندوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بسا اوقات یہ سفراء اور نمائندے بڑے بڑے بگڑے اور الجھے ہوئے معاملات کو سلجھا دیتے ہیں۔ اور کبھی ان کی ذرا سی غلطی سے بہت سے معاملات خراب بھی ہو جاتے ہیں۔ سفراء اور نمائندے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ نمائندے یا وفود جو کسی عارضی مہم پر یا کسی وقتی اقتصادی یا سیاسی معاملہ کے طے کرنے کے لئے کسی ملک میں آجاتے ہیں اور دوسرے جو مستقل طور پر اپنے ملک کی نمائندگی کرتے ہیں، جسے عام طور پر ایک ملک، دوسرے ملک میں اپنے سفیر بھیجتے ہیں۔

دیگر امور

اس وقت بین الاقوامی تعلقات کی استواری کے لئے ناگہانی اور معاشی ضرورتوں پر امداد کا طریقہ بھی رائج ہے۔ اس سلسلہ میں بھی اسلام کا تصور دوسرے تمام نظاموں سے زیادہ آفاقی اور پاکیزہ ہے۔ "اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات" کے فاضل مصنف اسی تسلسل میں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ: قریش اور ان کے ہم نوا قبیلوں کو مسلمانوں سے جو پرخاش تھی اور جس طرح وہ ان کے خون کے پیاسے تھے اس سے ہر ایک واقف ہے، مگر اسی دوران میں ایک زبردست قحط پڑتا ہے، اور نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے، آپ مدینہ سے اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کے پاس کھجوریں، کچھ چمڑے اور پانچ سو دینار نقد اس لئے روانہ فرماتے ہیں کہ وہ قحط زدہ اشخاص کی اس سے مدد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ امداد مدینہ جیسی غریب اور چھوٹی سی آبادی کی طرف سے، اُس قوم کو دی گئی تھی جو دنیا میں اسلام کی سب سے بڑی دشمن تھی۔

ان تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

۱۔ اسلام توحید و رسالت، کتاب اور کائنات کا آفاقی تصور دے کر انسان میں ہمہ گیر بین الاقوامی ذہنیت پیدا کرتا ہے۔

۲۔ وہ خلافت آدم کا تصور دے کر صرف انسان کو انسان سے نہیں بلکہ پوری کائنات سے ہم آہنگ بناتا ہے اور اس میں اس کی ذمہ داری کو محسوس کراتا ہے۔

۳۔ وہ انسانی بھائی چارہ کی بنیاد عقل وضمیر کے اشتراک پر نہیں بلکہ خون کے رشتہ پر رکھتا ہے۔

۴۔ وہ اس میں مساوات کا جذبہ ابھارتا ہے اور اس کے ذریعہ ہر طرح کی نسلی، قومی، اور وطنی تنگ نظری کی جڑ کاٹتا ہے۔

۵۔ قومی، وطنی تقسیم کو محض ایک عارضی اور تعارف کی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے۔

۶۔ وہ اخلاق وحقوق میں ہر انسان کو برابر سمجھتا ہے۔

۷۔ ہر شخص کی عزت، جان، مال، عقل، نسل اور ملکیت کی حفاظت کرتا ہے۔

۸۔ ہر شخص کو عقیدہ، رائے، فکر اور قول کی آزادی دیتا ہے۔

۹۔ وہ حقوق شہریت میں کم سے کم پابندی عائد کرتا ہے۔ وہ "ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ما ست" کا تصور پیش کرتا ہے۔

۱۰۔ وہ آزاد تجارت کا حامی ہے۔ جس میں کم از کم ٹیکس لیا جائے۔

۱۱۔ مادی معاملات، بین الاقوامی تعلقات اور معاہدات میں خواہ یہ سیاسی ہوں یا معاشی اس صورت کو پسند کرتا ہے جس کی بنیاد اخلاق اور عام خلق خدا کی منفعت پر ہو۔

۱۲۔ وہ ضرورت کے وقت دنیا کے ہر انسان کی بے غرض مدد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ خواہ یہ مدد ایک فرد کو دی جائے یا کسی حکومت کو، کسی مسلمان کو دی جائے یا غیر مسلم کو، کالے کو دی جائے یا گورے کو، وہ اس سے مادی منفعت اٹھانے سے نہ صرف منع کرتا ہے بلکہ اس کے اظہار کو بھی ناپسند کرتا ہے۔ قرآن پاک میں بار بار اس کی صراحت آتی ہے۔ کہ امداد دے کر کسی فرد یا جماعت کو اپنا ممنونِ احسان بنانے کی کوشش نہ کرو۔

۱۳۔ اسلام انسانوں کے درمیان جس تفریق کا قائل ہے وہ خالص الہامی اصولوں کی بنیاد پر ہے۔ اس میں وہ نہ تو کسی طرح کی قومی، وطنی عصبیت کو راہ دیتا ہے اور نہ نسلی برتری، جانبداری یا کسی انسان کی حق تلفی کو گوارہ کرتا ہے۔ اسلام کی یہ تقسیم حق وناحق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اہل حق وہ ہیں جو خدا کی

اس ہدایت کو مانتے اوراس پرعمل کرتے ہوں جواس نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بھیجی ہے۔جس کی آخری کڑی حضرت محمدﷺ ہیں اور وہ اہل باطل غلط کار ہیں جواس ہدایت پریقین نہیں رکھتے اوراس پرعمل نہیں کرتے۔ یہ تقسیم اس لئے کرنی پڑتی ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ کی طرح، بین الاقوامی معاملات میں بھی جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے اسلام اپنا ایک خالص اخلاقی اور ماورائی تصور رکھتا ہے۔اس کو ممتاز کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس کے ماننے والوں کو ایک ایسا امتیازی نام دیا جائے جس سے کسی طرح کی قومی، وطنی اور طبقاتی عصبیت بھی نہ پیدا ہو اور اصولی اعتبار سے آفاقیت کے ساتھ ان کی یہ امتیازی حیثیت بھی باقی رہے۔

حوالہ جات

۱۔ ال عمران۔۸۳
۲۔ العلق:۱۔۵
۳۔ بنی اسرائیل:۷۰
۴۔ فاطر۔۴۳
۵۔ الانبیآء۔۷۳
۶۔ البقرہ:۳۸
۷۔ نوح:۱۔۳
۸۔ نوح:۱۱۔۱۴
۹۔ الشعرا:۱۴۲۔۱۵۲
۱۰۔ ھود۔۷۵
۱۱۔ الشوریٰ:۱۳
۱۲۔ توبہ:۳۳
۱۳۔ ال عمران:۶۴
۱۴۔ الاعراف:۱۵۸
۱۵۔ البقرہ:۲۵۶
۱۶۔ یونس:۹۹
۱۷۔ النحل:۱۲۵
۱۸۔ النسآء:۵۸
۱۹۔ المائدہ:۸
۲۰۔ بنی اسرائیل:۳۴